۳۸

# منافقین کا جماعت احمدیہ سے علیحدہ ہونا جماعت کیلئے ہرگز نقصان رساں نہیں

(فرمودہ ۱۶؍ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

چونکہ آج میرے گلے میں زیادہ تکلیف ہے اور کھانسی بھی زیادہ اُٹھ رہی ہے اس لئے میں زیادہ دیر تک بول نہیں سکتا لیکن پھر بھی آجکل کی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے چونکہ مجھے بولنا پڑتا ہے اس لئے آج میں اختصار کے ساتھ پھر اسی مضمون کو لیتا ہوں جس مضمون کے متعلق میں نے گزشتہ جمعہ میں خطبہ پڑھا تھا یا یہ کہو کہ اس مضمون کے ایک حصہ کے متعلق جس کی طرف خطبہ کے ابتداء میں مَیں نے دوستوں کو توجہ دلائی تھی۔

دوستوں کو معلوم ہے کہ متواتر کئی خطبات کے ذریعہ میں جماعت کو توجہ دلاتا آرہا ہوں کہ افراد اور ان کی تعداد پر خدا تعالیٰ کی قائم کردہ جماعتوں کی طاقت نہیں ہوتی بلکہ ان کی طاقت اخلاص اور ایمان پر ہوتی ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت کے تمام افراد میں ابھی تک یہ حِس پیدا نہیں ہوئی کہ وہ اس نکتہ کو سمجھیں۔ وہ خطبات سنتے ہیں مگر ایک کان سے سنتے اور دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔ بڑی سے بڑی نعمت بھی اگر اس سے فائدہ نہ اُٹھایا جائے اور بڑی سے بڑی نصیحت بھی اگر اس پر عمل نہ کیا جائے انسان کے کسی کام نہیں آسکتی۔

منافقین کا وجود جس قسم کا زہر اپنے اندر رکھتا ہے اس زہر کے ازالہ یا اس کے علاج کی طرف لوگ بہت ہی کم توجہ کرتے ہیں آخر اس کا کیا نتیجہ ہوگا ؟ یہی کہ خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ میں اس کام کو لے لے گا اور جب اللہ تعالیٰ کسی کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے تو پھر وہ یہ نہیں دیکھا کرتا کہ اس کا اثر دوسروں پر کتنا شدید اور کتنا ہیبت ناک پڑتا ہے۔ جب تم اپنے گھروں میں آگ جلاتے ہو تو تم یہ احتیاط کر لیا کرتے ہو کہ وہ آگ تمہارے اسباب کو نہ لگے بلکہ صرف چولہے تک ہی محدود رہے۔ تم کبھی اس امر کو برداشت نہیں کر سکتے یا اس قسم کی کوئی بے احتیاطی اختیار نہیں کر سکتے جس کے نتیجے میں وہ آگ چولہے سے نکل کر تمہارے اسباب کو لگ جائے اور اسباب کے بعد تمہارے گھر کو جلا دے اور گھر کو جلانے کے بعد تمہارے ہمسایوں کے مکانات اور ان کے اسباب کو جلانا شروع کر دے۔ لیکن یہی آگ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے لگتی ہے تو وہ کس طرح وسیع علاقہ میں پھیل جاتی اور کس قدر مال و اسباب کا نقصان کر دیتی ہے۔ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے کہیں آگ لگتی ہے تو بسا اوقات وہ گھر کا تمام مال و اسباب جلا دیتی ہے، بسا اوقات نہ صرف ایک گھر کا مال و اسباب جلا دیتی ہے بلکہ ہمسایوں کے مکانات اور ان کے مال و اسباب کو بھی جلا دیتی ہے، پھر بسا اوقات وہ سارا محلّہ جلا دیتی ہے اور بسا اوقات سارے شہر کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان سے میں نے خود اپنے کانوں سے یہ مضمون بارہا سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو قسم کے ابتلاء آیا کرتے ہیں۔ ایک تو وہ ابتلاء ہوتے ہیں جن میں بندے کو اختیار دیا جاتا ہے کہ تم اس میں اپنے آرام کیلئے خود کوئی تجویز کر سکتے ہو۔ چنانچہ اس کی مثال میں آپ فرماتے دیکھو! وضو بھی ایک ابتلاء ہے سردیوں کے موسم میں جب سخت سردی لگ رہی ہو ٹھنڈی ہوا چل رہی اور ذرا سی ہوا لگنے سے بھی انسان کو تکلیف ہوتی ہو خدا تعالیٰ کی طرف سے انسان کو حکم ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے سے پہلے وضو کرو۔ بسا اوقات جب نماز کا وقت ہوتا ہے اُس وقت گرم پانی نہیں ہوتا یا بسا اوقات اسے گرم پانی میسر تو آ سکتا ہے مگر اُس وقت تیار نہیں ہوتا۔ پھر بسا اوقات اسے گرم پانی میسر ہی نہیں آ سکتا یخ بستہ پانی ہوتا ہے اور اسی پانی سے اُسے وضو کر کے نماز پڑھنی پڑتی ہے۔ آپ فرمایا کرتے یہ بھی ایک ابتلاء ہے جو اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کیلئے رکھ دیا مگر فرمایا یہ ایسا ابتلاء ہے جس میں بندے کو اختیار دیا گیا ہے یعنی اُسے اِس بات کی اجازت دی گئی

ہے کہ اگر پانی ٹھنڈا ہے تو گرم کرلے گویا یہ ایک اختیاری ابتلاء ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا اور انسان کو اس بات کی اجازت دی کہ اگر ٹھنڈے پانی سے تم وضو نہیں کرسکتے تو ہمت کرو اور آگ پر پانی گرم کرلو۔ اور اپنے گھر میں آگ موجود نہیں تو ہمسایہ کے گھر سے آگ لے کر پانی گرم کرلو اور گرم پانی سے وضو کرنے کے بعد اچھی طرح گرم کپڑے پہن لو تا تمہیں سردی محسوس نہ ہو۔ یا بعض اوقات لوگ مسجدوں میں حمام بنا دیتے ہیں جن میں پانی گرم رہتا ہے۔ پس جو لوگ غریب اپنے گھروں میں پانی گرم نہیں کرسکتے وہ مساجد میں جا کر حمام سے وضو کرسکتے ہیں یا اگر مسجد میں گرم حمام کا انتظام نہیں تو پھر اگر کوئی ہمت والا کنویں سے تازہ پانی کا ڈول نکال کر اس سے وضو کرلیتا ہے اس طرح بھی وہ سردی سے بچ جاتا ہے کیونکہ سردیوں میں کنویں کا تازہ پانی قدرے گرم ہوتا ہے۔ پس اگر کوئی ذریعہ اس کے پاس موجود نہیں تو وہ اس طرح اپنی تکلیف کو دور کرسکتا ہے۔ اسی طرح فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو حکم دیا کہ علی الصبح اُٹھے اور نماز فجر پڑھے۔ اب سردیوں میں صبح کے وقت اُٹھنا کتنا دوبھر ہوتا ہے لیکن انسان کے پاس اگر کافی سامان ہو تو یہ تکلیف بھی اسے محسوس نہیں ہوسکتی۔ مثلاً اگر اسے تہجد کی نماز پڑھنے کی عادت ہے تو وہ یہ کرسکتا ہے کہ تہجد کی نماز پڑھتے وقت کمرے کے دروازے اچھی طرح بند کرے تا کمرہ گرم رہے اور باہر کی ٹھنڈی ہوا اندر نہ آسکے۔ اسی طرح جب فجر کی نماز پڑھنے کیلئے مسجد کو جائے تو کمبل یا دُلائی اوڑھ سکتا یا گرم کوٹ پہن کر جاسکتا ہے اور اگر کوئی غریب بھی ہو تو وہ بھی پھٹی پُرانی صدری یا کوٹ پہن کر جاسکتا اور سردی کے اثر سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص بالکل ہی غریب ہو اور اس کے پاس نہ کمبل ہو نہ دُلائی نہ صدری نہ کوٹ تو اسے بھی زیادہ تکلیف نہیں ہوسکتی کیونکہ ایسے شخص کو سردی کے برداشت کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے اور خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جس چیز کا انسان عادی ہو جائے وہ اس کو تکلیف نہیں دیتی۔ میں نے دیکھا ہے کہ باورچی خانہ میں کام کرنے والی عورتیں اپنے ہاتھوں سے چولہے سے انگارے نکال لیتی ہیں اور انہیں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی حالانکہ ہم ان انگاروں کے قریب بھی نہیں جاسکتے۔ اسی نکتہ کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ دوزخیوں کو جب دوزخ میں عذاب دیا جائے گا تو کچھ عرصہ کے بعد جب ان کی جلدیں پک جائیں گے اور انہیں عذاب سہنے کی عادت ہو جائے گی تو بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا [۱] ہم ان

کے چمڑے تبدیل کر دیں گے اور نیا چمڑہ انہیں دے دیں گے کیونکہ اگر ایک ہی چمڑہ رہے تو انہیں دوزخ کا عذاب سہنے کی عادت ہو جائے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا منشاء دوزخیوں کو دوزخ کا عذاب محسوس کرانا ہے اس لئے تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد انہیں نئی جلدیں ملیں گی تا وہ عذاب ہمیشہ محسوس کرتے رہیں اور عذاب کا عادی ہو جانے کی وجہ سے اس کی تکلیف کا احساس ان کے دلوں سے مٹ نہ جائے۔

میرا مضمون گو اور ہے مگر چونکہ قرآن مجید کا جب ذکر آتا ہے تو توجہ خود بخود اس کی طرف پھر جاتی ہے اس لئے اس جگہ ایک قابلِ ذکر نکتہ بھی بیان کر دیتا ہوں۔ تم تمام دنیا کی علمی کتابوں کو پڑھ کر دیکھ لو تمہیں معلوم ہوگا کہ اعصاب کا تفصیلی علم ہمارے زمانہ کی دریافت ہے اس سے پہلے قدیم طب میں اعصاب کا علم اس طرح موجود نہیں تھا کیونکہ اس علم کا بہت سا تعلق خوردبین سے ہے جو پہلے معلوم نہ تھی اس وجہ سے پہلے زمانہ کے اطباء اس بات کو بہ تفصیل نہ جانتے تھے کہ انسان کی تمام جلد پر حِس والے اعصاب کا ایک جال پھیلا ہوا ہے اور وہ جال اتنا باریک ہے کہ خوردبین سے بھی بعض دفعہ نظر نہیں آ سکتا۔ یہ موجودہ زمانے کی تحقیق کا نتیجہ ہے مگر قرآن مجید نے آج سے تیرہ سَو سال پہلے ہی بتا دیا تھا کہ حِس جلد کے ذریعہ ہوتی ہے حالانکہ پہلے علمی رنگ میں یہ بات ثابت نہیں تھی۔ غرض قرآن کریم نے ہی سب سے پہلے دنیا کو یہ نکتہ بتایا ہے کہ حِس والے اعصاب جلد پر پھیلے ہوئے ہیں اور جب کسی انسان کی جلد جل جائے یا پختہ ہو جائے تو اس کی حِس کم ہو جاتی ہے۔ اسی امر کو مدنظر رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کچھ کچھ عرصہ کے بعد دوزخیوں کی جلد کو بدل دے گا اور اس طرح تازہ اور زندہ اعصاب انہیں دے کر ان کی حِس کو پھر مکمل کر دے گا تا وہ عذاب محسوس کریں۔ بہرحال خدا تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جب کسی شخص کو کسی دکھ یا تکلیف کی عادت ہو جائے تو اس کے متعلق اس کا احساس کم ہو جاتا ہے اور چونکہ سردیوں میں غرباء کے پاس گرم کپڑے نہیں ہوتے اور نہ اور سامان ہوتے ہیں جن سے انہیں سہارا حاصل ہو اس لئے ان کی جلد کو خدا تعالیٰ کی طرف سے مضبوط کر دیا جاتا ہے گویا یہ خدائی لباس یا خدائی کوٹ ہوتا ہے جو سردیوں میں غرباء کو پہنایا جاتا ہے۔ جب کسی شخص کو گرم کوٹ سردی سے محفوظ رہنے کیلئے نہیں ملتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کی جلد میں ایسی طاقت پیدا کر دی جاتی ہے کہ اسے سردی محسوس نہیں ہوتی کیونکہ سردی کی

اسے عادت پڑ جاتی ہے اور یہ عادت ہی اس کے بچاؤ کا ایک ذریعہ بن جاتی ہے۔

غرض سردیوں میں وضو کرنا یا تہجد اور صبح کی نماز کیلئے اُٹھنا ایک ابتلاء ہے مگر اس ابتلاء میں انسان کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنی سہولت اور آرام کو مدنظر رکھ لیا کرے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے استاد بعض دفعہ طالب علم سے کہتا ہے کہ تم اپنے کان خود کھینچو۔ طالب علم اُستاد کے اِس حکم کی تعمیل میں جب اپنے کان کھینچے گا تو وہ ضرور لحاظ رکھ لے گا کہ اسے تھوڑے سے تھوڑا درد ہو لیکن جب وہ طالب علم شرارت سے باز نہیں آتا تو پھر استاد اسے یہ نہیں کہتا کہ اپنے کان خود کھینچو بلکہ وہ دوسرے سے کہتا ہے کہ اس کے کان کھینچو۔ پس وہ اس کے کان کھینچتا ہے اور کان کھینچنے کے ساتھ اسے جھٹکے بھی دیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ایک ابتلاء تو اِس قسم کے آیا کرتے ہیں جو اختیاری ہوتے ہیں اور جن میں انسانوں کو اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اپنی سہولت اور آرام کو مدنظر رکھ لیں لیکن جب انسان ان ابتلاؤں سے فائدہ نہیں اُٹھاتے تو وہ یہ کام اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور پھر اُس وقت انسان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف ابتلاء ہی نہیں آتے بلکہ جھٹکے بھی ملتے ہیں اور جب اُسے جھٹکے آتے ہیں تو اس کے سِوا اور لوگوں کو بھی جھٹکے آتے ہیں اور وہ سب اپنی اپنی جگہوں سے ہلائے جاتے ہیں۔

مدینہ میں بعض یہودی قومیں رہتی تھیں جو مسلمانوں سے ہمیشہ فتنہ وفساد کا بازار گرم رکھتیں۔ جب ان کی شرارتیں حدود سے تجاوز کر گئیں تو رسول کریم ﷺ نے ان کے سامنے یہ امر پیش فرمایا کہ چاہو تو تم خود اپنے آپ کو سزا دے لو اور چاہو تو ہم تمہیں سزا دیں۔ وہ سمجھدار لوگ تھے انہوں نے کہا ہم خود ہی اپنے آپ کو سزا دے لیتے ہیں چنانچہ وہ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے اور باہر آباد ہو گئے۔ لیکن بعض دفعہ جب خدا اور اس کے رسولوں کے دشمن یہ کہتے ہیں کہ ہم اور تم اکٹھے نہیں رہ سکتے اور یہ کہ تم یہاں سے چلے جاؤ ورنہ ہم تمہیں یہاں سے نکال دیں گے تو خدائی جواب انہیں یہ ہوتا ہے کہ یہ ہماری زمین ہے اور یہ بندے بھی ہمارے بندے ہیں یہ تو یہاں سے نہیں جا سکتے لیکن اگر تم نبیوں کی جماعتوں سے مل کر نہیں رہ سکتے تو ہم تمہیں یہاں سے نکال کر رہیں گے۔ چنانچہ پھر خدا انہیں نکالتا ہے اور اسی طرح نکالتا ہے جس طرح اس نے کانگڑہ میں لوگوں کو نکالا، جس طرح اس نے بہار میں لوگوں کو نکالا، جس طرح اس نے کوئٹہ میں لوگوں کو نکالا، اس

خدائی عذاب کی گرفت میں پھر کچھ دوسرے لوگ بھی آجاتے ہیں کیونکہ خدائی قانون یہ ہے کہ وَلَا تَرْکَنُوْا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ [۲]۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا تو ظالم طبع لوگوں کو تم اپنے میں سے آپ جُدا کرو اور اگر تم انہیں جُدا کرنے کیلئے تیار نہیں تو یاد رکھو جب ہم نے ظالموں کے گھروں پر آگ برسائی تو اگر تمہارے گھروں کو بھی لگ جائے تو شکوہ نہ کرنا۔

ہماری جماعت کے سامنے بھی اِس وقت یہی سوال درپیش ہے کہ آیا وہ اپنے گھروں کو اللہ تعالیٰ کی آگ سے جلوانا چاہتی ہے یا منافقوں اور منافق طبع لوگوں سے الگ ہونا چاہتی ہے اس کے سِوا تیسری کوئی صورت نہیں ان میں سے ایک کا وقوع ضروری ہے یا منافق ہماری جماعت میں سے الگ ہو جائیں گے یا خدا ان کے گھروں کو جلائے اور ان کے گھروں کے ساتھ ان لوگوں کے گھر بھی جو اُن سے ملنے والے اور ان سے محبت اور دوستی کے تعلقات رکھنے والے ہیں جل جائیں گے۔ تم کو خدا تعالیٰ کا سلسلہ اتنا پیارا ہو یا نہ ہو لیکن خدا تعالیٰ کو یہ سلسلہ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیارا ہے کیونکہ وہ صداقت ہے اور جب سے کہ دنیا پیدا ہوئی اُس وقت سے لے کر آج تک وہ اِس صداقت کی حفاظت کیلئے سامان مہیا کرتا چلا آیا ہے۔ آخر سوچو کہ تمہیں اپنی زندگیوں میں جن منافقوں سے واسطہ پڑتا ہے ان کی تعداد کتنی ہے۔ یہاں کے اور بیرونی جماعتوں کے منافقوں کو ملا کر زیادہ سے زیادہ ان کی تعداد دو چار ہزار ہوگی ان دو چار ہزار منافقوں کی ساری دنیا کے مقابلہ میں نسبت ہی کیا ہے۔ دنیا کی آبادی اِس وقت دو ارب ہے اِن دو ارب آدمیوں کے مقابلہ میں دو چار ہزار منافقوں کی کچھ بھی حیثیت نہیں۔

پھر جس صداقت کو احمدیت پیش کرتی ہے اور جس صداقت کو اسلام ظاہر کرتا ہے وہ صداقت دو ارب آدمیوں سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ عالَمِ انسانی سے تعلق رکھتی ہے اور صرف عالَمِ انسانی سے نہیں بلکہ تمام عالَم سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ انسان عالَمِ صغیر ہے اور تمام عالَم اس کی خاطر پیدا کیا گیا ہے بلکہ انسان بھی ایک اور چیز کی خاطر پیدا کیا گیا ہے جسے سچائی کہتے ہیں۔ اس سچائی کے کامل نمونے جو دنیا میں ہوئے ہیں ان کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ [۳]۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خدا تعالیٰ نے یہی کہا کہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اگر تُو نہ ہوتا تو میں زمین و آسمان کو کبھی پیدا نہ کرتا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ

نے یہ بحیثیت انسان نہیں کہا کہ اگر تُو پیدا نہ ہوتا تو میں زمین و آسمان کو پیدا نہ کرتا بلکہ نمائندۂ صداقت ہونے کی حیثیت سے کہا اور اِس وجہ سے کہا کہ محمد ﷺ کا وجود سچائی سے مل گیا تھا یہاں تک کہ سچائی اور محمد ﷺ میں کوئی فرق نہ رہا تھا۔

اسی طرح اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے کہا کہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ ۴؎ کہ اگر تُو نہ ہوتا تو میں زمین و آسمان کو پیدا نہ کرتا۔ یہ بھی آپ کو بحیثیت انسان نہیں کہا گیا بلکہ ایک نمائندۂ صداقت ہونے کی حیثیت سے کہا گیا اور اِس وجہ سے کہا گیا کہ آپ کا وجود سچائی سے مل گیا یہاں تک کہ آپ میں اور سچائی میں کوئی فرق نہ رہا۔

پس جب خدا نے کہا کہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ تو اس کے یہی معنی تھے کہ اگر سچائی نہ ہوتی، اگر دنیا میں یہ حقیقت مضمرّہ نہ ہوتی جو سارے عالَم کی جان ہے جو خدا میں سے آتی اور پھر خدا میں ہی جا کر مل جاتی ہے تو میں زمین و آسمان کبھی پیدا نہ کرتا۔ یہ سارا عالَم اس سچائی کیلئے پیدا کیا گیا ہے اِس دائمی، اس ازلی اور اس ابدی سچائی کیلئے جو خدا میں سے آتی اور خدا میں ہی واپس چلی جاتی ہے اس دائمی سچائی کے کامل نمائندے محمد ﷺ تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔ اور اس دائمی سچائی کے ظلّی نمائندے حضرت مسیح موعود علیہ السلام تھے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی فرمایا کہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ لیکن مستقل طور پر محمد ﷺ کو ہی کہا گیا ہے کہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ یعنی اے محمد ﷺ چونکہ تُو اس دائمی سچائی کا نمائندہ ہے جو مجھ میں سے آتی اور مجھ میں ہی آکر مل جاتی ہے اور جس کا اشارہ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۵؎ میں بھی ہے اس لئے اگر تُو پیدا نہ ہوتا جو سچائی کا نمائندہ بننے والا تھا تو میں زمین و آسمان کبھی پیدا نہ کرتا مگر چونکہ تُو ایک زمانہ میں میری سچائی کا کامل نمائندہ بننے والا تھا اس لئے میں نے زمین و آسمان کو پیدا کر دیا کیونکہ تیرے ذریعہ میری اس صداقت اور سچائی کا ثبوت ملنا تھا۔ پھر جب محمد ﷺ کے وجود میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آکر اپنے وجود کو فنا کر دیا۔ آپؐ کی محبت میں اپنے آپؑ کو مٹا دیا اور سچائی کی اُس چادر کو اوڑھ لیا جو دائمی ہے، جو ازلی اور ابدی ہے، جو خدا میں سے آتی اور خدا میں ہی واپس چلی جاتی ہے تو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی الہاماً فرمایا کہ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ اب خود سوچ لو جس جُرم اور جس

گناہ کے نتیجہ میں یہ سچائی پوشیدہ ہو جائے، جس جُرم اور جس گناہ کے نتیجہ میں یہ سارے افعال باطل ہو جائیں اور اربوں ارب اور کھربوں کھرب سالوں سے خدا تعالیٰ جس سچائی کو قائم کرنا چاہتا ہے وہ مشتبہہ ہو جائے اس جُرم اور اس گناہ سے ہمیں کتنی شدید نفرت رکھنی چاہئے۔

پس ہزار دو ہزار، یا لاکھ دو لاکھ، یا کروڑ دو کروڑ، یا ارب دو ارب انسانوں کا سوال نہیں بلکہ اگر دس ارب انسان بھی اس سچائی کے مقابلہ پر آ جائیں تو جس طرح سر کو کھجلی سے بچانے کیلئے ایک جوں ماردی جاتی ہے اسی طرح ان اربوں لوگوں کی تباہی کی بھی پرواہ نہیں کی جاسکتی کیونکہ صداقت دنیا کی ہر چیز پر مقدم ہے اور انسانوں کی سچائی کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں بلکہ ایک وقت کی دنیا کیا قیامت تک کے سارے عالَم اور قیامت تک پیدا ہونے والے نسلِ انسانی کے تمام افراد بھی سچائی کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتے۔ وہ صرف اتنا ہی وزن رکھتے ہیں جتنا صداقت سے وہ تعلق رکھتے ہوں۔ اِسی لئے جب میں نے کہا کہ سچائی کے مقابلہ میں اربوں ارب بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والے افراد کی تباہی کی بھی پرواہ نہیں کی جاسکتی تو محمد ﷺ ان انسانوں سے باہر آ گئے کیونکہ انہیں انسانیت سے بہت بلند اور بالا مقام حاصل تھا وہ ازلی سچائی کے مظہر ہو گئے تھے۔ اسی طرح وہ دوسرے لوگ بھی باہر آ جائیں گے جو حسبِ مراتب صداقت سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ پس انسانوں سے مراد وہ انسان نہیں جو صداقت کے نمائندہ ہیں ان کے سِوا باقی تمام انسان اگر ابتدائے عالَم سے لے کر قیامت تک تباہ کر دیئے جائیں تو سچائی کے مقابلہ میں وہ اتنا وزن بھی نہیں رکھتے جتنا ایک من وزن کے مقابلہ میں چنے کا ایک دانہ حیثیت رکھتا ہے۔ یہ زمین، یہ آسمان، یہ سورج، یہ چاند، یہ ستارے، یہ سیارے اور قسم قسم کی اشیاء جو خدا تعالیٰ نے پیدا کیں یہ سب سچائی کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ **لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ** اے محمد! ﷺ یہ ساری چیزیں تیرے لئے ہیں کیونکہ تُو ہماری سچائی کا نمائندہ ہے اور اگر تُو پیدا نہیں ہوتا تو پھر ان چیزوں کی کچھ بھی ضرورت نہیں تھی کیونکہ سچائی کے بغیر یہ سب حقیر اور ذلیل چیزیں ہیں۔

پس کون بیوقوف یہ خیال کر سکتا ہے کہ اس کا وجود اتنا بڑا ہے کہ سچائی کے مقابلہ میں اس کی پرواکرنی چاہئے۔ سچائی تو اتنی قیمتی چیز ہے کہ اس کیلئے خدا تعالیٰ نے محمد ﷺ کے وجود کو بھی

خطرہ میں ڈال دیا، مکہ اور مدینہ میں جب لوگ آپ پر حملہ کرتے تو ان میں سے ہر شخص اسی لئے حملہ کرتا تھا کہ وہ ازلی اور ابدی صداقت جو آپ کے ذریعہ دنیا میں ظاہر ہوئی مٹا دے۔ پس اس سچائی کیلئے تو محمد ﷺ کی جان کو بھی خدا تعالیٰ نے خطرہ میں ڈال دیا کجا یہ کہ ایک منافق کی جان کی سچائی کے مقابلہ میں حفاظت کی جائے۔

تاریخوں میں ایک واقعہ آتا ہے نہ معلوم وہ سچا بھی ہے یا نہیں مگر بہرحال ذکر آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کے والد کہیں سے آ رہے تھے کہ راستہ میں انہوں نے دیکھا ایک عورت بیٹھی ہے اُس عورت پر رسول کریم ﷺ کے والد کا چہرہ دیکھ کر ایسی وارفتگی طاری ہوئی کہ اُس نے ان سے شادی کی خواہش ظاہر کی کہ آپ مجھ سے شادی کر لیں۔ عرب کی عورتوں میں ہندوستان کی عورتوں کی نسبت بہت آزادی تھی اور اُن میں عورت کا شادی کی خود خواہش کرنا کچھ ایسا معیوب نہ سمجھا جاتا تھا مگر پھر بھی عورت کی ذات اپنے اندر شرم وحیا کا فطرتی مادہ رکھتی ہے اور وہ مرد سے اس قسم کی بات کہتے ہوئے شرماتی ہے لیکن اُس عورت نے کہہ ہی دیا کہ آپ مجھ سے شادی کر لیں۔ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ نے اُسے کوئی جواب نہ دیا اور گو وہ عورت معزز اور مالدار تھی اور شاید اُس سے شادی کرنا ان کیلئے مفید ہوتا لیکن انہیں جواب دیتے ہوئے شرم محسوس ہوئی اور وہ اپنے گھر چلے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ پھر وہاں سے گزرے تو اسی عورت کو ایک جگہ بیٹھے ہوئے دیکھا اور اب کی دفعہ خود اُن کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اگر یہ کہے تو میں اس سے شادی کر لوں۔ وہ یہ امید رکھتے تھے کہ عورت پھر شادی کیلئے خود اپنے آپ کو پیش کرے گی لیکن وہ عورت خاموش رہی اور اُس نے انہیں کچھ نہ کہا۔ اس پر انہیں بہت تعجب ہوا اور انہوں نے اُسے مخاطب کر کے کہا کہ اُس دن جو میں یہاں سے گزرا تھا تو تم نے کہا تھا کہ مجھ سے شادی کر لو اور میں خاموش رہا تھا لیکن آج تم نے یہ بات نہیں کہی اِس کی کیا وجہ ہے؟ وہ عورت کہنے لگی اُس دن جو آپ یہاں سے گزرے تھے تو مجھے آپ کے ماتھے پر ایک نور نظر آیا تھا مگر آج وہ نور مجھے نظر نہیں آیا۔ دراصل اسی عرصہ میں حضرت عبداللہ رسول کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں آپ کا حمل قرار پا گیا وہ نور جو اُس عورت کو نظر آیا وہ وہی ازلی سچائی تھی جو نسلاً بعد نسلٍ لوگوں کی پُشت میں منتقل ہوتی چلی آئی تھی لیکن جب وہ سچائی آمنہ کے پیٹ میں منتقل ہوگئی تو تمام مرد اس سے محروم

ہو گئے یہاں تک کہ محمد ﷺ کے ذریعہ پھر وہ نور دنیا میں ظاہر ہؤا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ یہ روایت صحیح بھی ہے یا نہیں لیکن اس میں ہمارے لئے ایک سبق ضرور ہے خواہ وہ تصویری زبان ہی میں کیوں نہ ہو۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے یہ روایت مواہب اللدنیہ میں جو تاریخ کی مشہور کتاب ہے آتی ہے۔ یہ قصہ خلافِ عقل بھی نہیں ہے جو عام واقعات دنیا میں خدا تعالیٰ کے انبیاء کی شناخت کے متعلق ہوتے رہتے ہیں ممکن ہے انہی کی طرح اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو کشفی نگاہ دے دی ہو اور اُس نے وہ نورِ محمدیؐ دیکھ لیا ہو جو دنیا میں ظاہر ہونے والا تھا لیکن بہرحال خواہ یہ واقعہ صحیح ہے یا غلط ہم اس سے سبق حاصل کر سکتے ہیں خواہ تاریخی لحاظ سے ہم اس کی صحت کی ذمہ داری نہ لے سکتے ہوں۔ پس وہ صداقتِ دائمی، وہ ازلی اور ابدی صداقت جو خدا تعالیٰ سے آتی اور خدا تعالیٰ کی طرف ہی چلی جاتی ہے تمام عالَم پر مقدم ہے اور وہی اس دنیا کی پیدائش کا مقصد ہے اور درحقیقت وہی نور ہے جس کا ذکر سورہ نور میں اللہ تعالیٰ ان الفاظ میں فرماتا ہے کہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ [۶] اللہ ہی آسمان و زمین کا نور ہے۔ شاید تم کہو کہ جب اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے تو تم نے محمد ﷺ اور بعض خاص افراد کو اِس کا حامل قرار کیوں دیا ہے ایک کو دوسرے سے کیا امتیاز حاصل ہے۔ تو اِس کا جواب یہ ہے کہ بعض لوگ اتنے کثیف ہوتے ہیں کہ ان میں سے خدا تعالیٰ کا وہ نور نظر نہیں آ سکتا۔ گویا ان کی مثال اس خول کی سی ہوتی ہے جس میں بجلی کی تار گزرتی ہے۔ میں نہیں جانتا وہ لوہے کا ہوتا ہے یا کسی اور چیز کا لیکن بہرحال بجلی والے بجلی کی بعض تاروں پر ایک خول چڑھاتے ہیں اس خول کی وجہ سے وہ نان کنڈکٹر ہو جاتی ہے یعنی اندر سے ہزاروں لاکھوں گھوڑوں کی طاقت والی بجلی گزر رہی ہوتی ہے اور اوپر سے ایسی محفوظ ہوتی ہے کہ ایک چڑیا یا چوہیا بھی اگر بیٹھ جائے تو اُسے کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ پس بعض وجود نان کنڈکٹر ہوتے ہیں لیکن بعض وجود ایسے ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے اندر جذب کر کے اسے باہر بھیجنا شروع کر دیتے ہیں جیسے بجلی کی تاریں ہوتی ہے اور بجلی کو جذب کرتیں اور اسے دوسری چیزوں تک پہنچا دیتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ کا نور زمین و آسمان میں ہر جگہ موجود ہے فرق صرف یہ ہے کہ بعض نے اپنے آپ کو نان کنڈکٹر بنا لیا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس نور سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے اور بعض اُس نور کو جذب کر کے دوسرے لوگوں تک بھی

پہنچا دیتے ہیں اِس قسم کے وجود محمدیؐ وجود ہوتے ہیں۔ پس نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہر جگہ موجود ہے مگر یہی صداقتِ ازلی جو خدا نے پیدا کی صرف انہی کو نظر آ سکتی ہے جو الوہیت کی چادر اوڑھ لیں تا کوئی شخص یہ کہہ سکے کہ دنیا میں دو چیزیں ہیں بلکہ ہر کوئی انہیں دیکھ کر یہی کہے کہ یہ سب نور اللہ کا ظہور ہے اور اس نور میں کوئی دوئی نہیں۔

غرض نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے وہ صداقتِ ازلیہ مراد ہے جس کا کامل ظہور محمد ﷺ کے ذریعہ ہوا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ یعنی میں نے دنیا اسی ازلی صداقت کو ظاہر کرنے کیلئے پیدا کی ہے اور اِس ازلی اور ابدی صداقت کو اور کسی نے کامل طور پر ظاہر نہیں کیا صرف تُو ایسا وجود ہے جس نے اسے کامل طور پر ظاہر کیا۔ پس اگر تُو پیدا نہ ہوتا تو میں اس زمین و آسمان کو ہرگز پیدا نہ کرتا۔ پس اس ازلی اور ابدی صداقت کے مقابلہ میں جسے نور اللہ کہتے ہیں دنیا کا کوئی انسان، دنیا کی کوئی جماعت، دنیا کی کوئی نسل، بلکہ کروڑوں اور اربوں سالوں کی نسلیں بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتیں اور یقیناً ان سب کو مٹایا جا سکتا اور انہیں تباہ و برباد کیا جا سکتا ہے لیکن سچائی کے مشتبہ ہونے یا اس کے مٹنے کو کبھی برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ ایک سر میں پڑی ہوئی جُوں کی کوئی قیمت ہو سکتی ہے لیکن سوائے اُن انسانوں کے جنہوں نے سچائی سے اپنے آپ کو کامل طور پر وابستہ کر لیا اور لوگوں کی ایک جُوں کے برابر بھی حیثیت نہیں ہے۔

بچپن میں ہمیں کہانیاں سننے کا بہت شوق تھا۔ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہتے تو آپ ہمیں ایسی کہانیاں سناتے جنہیں سن کر عبرت حاصل ہوتی۔ انہی کہانیوں میں سے ایک کہانی مجھے اِس وقت یاد آ گئی جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبان سے میں نے سنا۔ آپ فرماتے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں طوفان اِس وجہ سے آیا کہ لوگ اُس وقت بہت گندے ہو گئے تھے اور گناہ کرنے لگ گئے تھے۔ وہ جُوں جُوں اپنے گناہوں میں بڑھتے جاتے خدا تعالیٰ کی نگاہ میں ان کی قیمت گرتی جاتی۔ آخر ایک دن ایک پہاڑی کی چوٹی پر کوئی درخت تھا اور وہاں گھونسلے میں چڑیا کا ایک بچہ بیٹھا ہوا تھا اُس بچے کی ماں کہیں گئی اور پھر واپس نہ آ سکی شاید مر گئی یا کوئی اور وجہ ہوئی کہ نہ آئی۔ بعد میں اس چڑیا کے بچہ کو پیاس لگی اور وہ پیاس سے تڑپنے لگا اور اپنی چونچ کھولنے لگا تب خدا تعالیٰ نے یہ دیکھ کر اپنے فرشتوں کو حکم دیا کہ جاؤ اور زمین پر پانی برساؤ اور اتنا

برساؤ کہ اس پہاڑ کی چوٹی پر جو درخت ہے اُس کے گھونسلہ تک پہنچ جائے تا کہ چڑیا کا بچہ پانی پی سکے۔فرشتوں نے کہا خدایا! وہاں تک پانی پہنچانے میں تو ساری دنیا غرق ہو جائے گی۔خدا تعالیٰ نے جواب دیا کوئی پرواہ نہیں اِس وقت دنیا کے لوگوں کی میرے نزدیک اتنی بھی حیثیت نہیں جتنی اُس چڑیا کے بچہ کی حیثیت ہے۔

اِس کہانی میں یہی سبق سکھایا گیا ہے جو بالکل درست ہے کہ صداقت اور راستی سے خالی دنیا ساری کی ساری مل کر بھی خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک چڑیا کے بچہ جتنی حیثیت نہیں رکھتی۔تو پھر بتاؤ کہ ایک یا چند انسانوں کی صداقت کے مقابلہ میں کیا حیثیت ہوسکتی ہے کہ ان کا لحاظ رکھا جائے۔میں ایک عرصہ سے تم میں سے وہ لوگ جن کی آنکھیں ہیں انہیں دکھا رہا ہوں، جن کے کان ہیں انہیں سنا رہا ہوں اور جن کی حِس ہے انہیں محسوس کرا رہا ہوں کہ سلسلہ کے قیام یا اس کی زندگی کے قیام کے مقابلہ میں منافق تو کیا خود تمہاری جانوں کی بھی پرواہ نہیں کی جاسکتی بلکہ جس طرح کُتّے کی سڑی ہوئی لاش پھینک دی جاتی ہے اسی طرح اگر تم صداقت کے مقابل پر آجاؤ تو تمہیں پھینک دیا جائے گا بلکہ سڑے ہوئے کُتّے کی لاش پھینکتے ہوئے بھی رحم آسکتا ہے لیکن اگر تم صداقت کے مقابلہ میں کھڑے ہو جاؤ تو تم سڑے ہوئے کُتّے کی لاش جتنی بھی حیثیت نہیں رکھو گے اور فوراً سلسلہ سے منقطع کر دیئے جاؤ گے۔تم خود غور کر کے دیکھ لو میں نے جس وضاحت سے صداقت کی قیمت تمہارے سامنے پیش کی ہے اس کے بعد کیا کوئی بھی شخص یہ خیال کرسکتا ہے کہ اس صداقت کو چند نفوس کے لئے مِٹتے ہوئے دیکھا جاسکتا ہے۔میں اپنی حیثیت سمجھتا ہوں اور تم اپنی حیثیت جانتے ہو ہم سب سوچ سمجھ کر معلوم کرسکتے ہیں کہ کیا ہماری اس صداقت کے مقابلہ میں کوئی بھی حیثیت ہے۔ہمارے ملک میں کُتّے کو سب سے زیادہ ذلیل سمجھا جاتا ہے اسی لئے میں نے کُتّے کی مثال دی ہے ورنہ اگر مجھے کُتّے سے بھی کم حیثیت رکھنے والی چیز کی مثال نظر آتی تو میں وہی دیتا ممکن ہے کہ بعض لوگ سچائی کے مقابلہ میں اپنی قیمت اِس سے زیادہ سمجھتے ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ازلی سچائی کے مقابلہ پر اپنے آپ کو سڑے ہوئے کُتّے سے تشبیہہ دے کر مَیں نے اپنی قیمت زیادہ ہی لگائی ہے کم نہیں لگائی کیونکہ اس صداقتِ ازلیہ کے مقابلہ میں انسان کی حیثیت کچھ بھی نہیں، نہ ایک کی نہ دو کی، نہ دس کی نہ بیس کی، نہ سَو کی نہ ہزار کی بلکہ لاکھوں اور کروڑوں اور اربوں سالوں کی

نسلوں کی قیمت بھی سچائی کے مقابلہ میں کچھ نہیں وہ نور اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے نور کے مقابلہ میں حقیر اور ذلیل انسان کی کیا قیمت ہوسکتی ہے۔ وہی تو ایک چیز ہے جسے دیکھ کر خدا تعالیٰ کے پاک بندے اپنی جانیں دیتے چلے آئے ہیں۔

حضرت نظام الدین صاحب اولیاء کے متعلق ایک واقعہ آتا ہے جو میں نے خود تو نہیں پڑھا مگر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سے میں نے سنا ہے۔ آپ ایک دفعہ شاگردوں کے ساتھ ایک بازار میں سے گزر رہے تھے کہ آپ نے ایک چھوٹا سا لڑکا دیکھا جو نہایت خوبصورت تھا آپ فوراً آگے بڑھے اور اُسے چوم لیا۔ شاگردوں نے جب یہ دیکھا کہ ہمارے پیر و مُرشد نے ایک لڑکے کا بوسہ لیا ہے تو وہ فوراً ایک دوسرے سے آگے بڑھے اور انہوں نے اس لڑکے کو چومنا شروع کر دیا۔ اُن کے ایک مرید تھے جو ان کے بہت مقرب تھے اور بعد میں ان کے خلیفہ بھی ہوئے انہوں نے اس موقع پر لڑکے کو نہ چوما بلکہ الگ کھڑے رہے۔ یہ دیکھ کر باقی لوگ باتیں بنانے لگ گئے کہ اس شخص کے دل میں حضرت بزرگ صاحب کا ذرا بھی ادب نہیں بزرگ صاحب نے ایک کام کیا اور اس نے نہیں کیا۔ وہ حسد کی وجہ سے آہستہ آہستہ یہ اعتراض کرتے چلے جا رہے تھے کہ چلتے چلتے راستہ میں حضرت نظام الدین صاحب اولیاء نے دیکھا ایک بھٹیارا بھٹی میں آگ جلا رہا ہے اور اُس کے شعلے اِس تیزی سے بھڑک رہے ہیں کہ پاس کھڑا نہیں ہوُا جاتا۔ حضرت نظام الدین صاحب اولیاء کے چہرہ پر یہ دیکھ کر یکدم ایک تغیر آیا اور ربودگی کی سی حالت طاری ہوگئی اور جھٹ آگے بڑھے اور آگ کے شعلہ کا بوسہ لے لیا مگر آگ کا بوسہ لینے سے نہ تو اُن کے بال جلے اور نہ منہ۔ وہ پیچھے ہٹے تو وہی شاگرد جو بعد میں ان کا خلیفہ ہوُا اور جس نے لڑکے کو نہیں چوما تھا آگے بڑھا اور اُس نے بھی آگ کو بوسہ دیا پھر پیچھے ہٹ کر اُس نے دوسروں سے کہا حضرت نظام الدین صاحب اولیاء نے آگ کو بوسہ دیا ہے آپ بھی اسے بوسہ دیجئے۔ مگر وہاں بوسہ دینے کی انہیں کس طرح جرأت ہوسکتی تھی وہاں تو وہی بوسہ دے سکتا تھا جسے خدا تعالیٰ نے یہ کہا ہو کہ آگ تیری غلام بلکہ تیرے غلاموں کی بھی غلام ہے۔ جب ان میں سے کوئی شخص آگے نہ بڑھا تو وہ شاگرد اُن سے مخاطب ہوکر کہنے لگا میں نے تمہارا اعتراض سنا ہے کہ پیر صاحب نے لڑکے کو بوسہ دیا مگر اِس نے نہیں دیا حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ پیر صاحب نے لڑکے کو بوسہ نہیں دیا تھا بلکہ انہیں اس میں سے نور اللہ نظر آیا تھا

اور اُس نور اللہ کو انہوں نے بوسہ دیا مگر مجھے اس میں سے نور اللہ نظر نہ آیا اس لئے میں نے اُسے بوسہ نہ دیا اگر میں اسے بوسے دیتا تو وہ حظِّ نفس ہوتا اپنے پیر کی اتباع نہ ہوتی لیکن اب جبکہ انہیں آگ میں نور اللہ نظر آیا مجھے بھی اس میں سے نور اللہ دکھائی دیا پس میں نے بھی آگ کو بوسہ دے دیا۔ اگر تم نے بھی لڑکے میں نور اللہ دیکھ کر اُسے بوسہ دیا تھا تو اب آگ کو کیوں بوسہ نہیں دیتے ؟ اور اگر تم نے محض حظِّ نفس کی وجہ سے لڑکے کو چوما تھا تو مجھ پر تمہارا اعتراض کس طرح درست ہوسکتا ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ کا نور ظاہر ہوتا اور خدا تعالیٰ کے پیاروں کو نظر آجاتا ہے چاہے وہ آگ میں نظر آئے یا کسی اور چیز میں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ کا یہ نور آگ میں نظر آیا تھا اور وہ اس کی طرف دوڑتے ہوئے چلے گئے تھے۔

پس اس صداقت کے مقابلہ میں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ پھر اسی طرح ظاہر ہوئی جس طرح حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ ظاہر ہوئی تھی انسانوں کی کوئی ہستی نہیں کہ ان کا لحاظ کیا جاسکے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فرمودہ مجھے اِس وقت ایک اور مثال بھی یاد آگئی ہے جو مُردہ کُتّے والی مثال سے زیادہ بہتر مثال ہے آپ فرمایا کرتے تھے ایسے لوگوں کی طاعون سے مرے ہوئے چوہوں جتنی بھی حیثیت نہیں ہوتی اور یقیناً یہ مثال مُردہ کُتّے سے بھی زیادہ واضح ہے کیونکہ مرے ہوئے کُتّے کی لاش میں گو بُو اور سڑاند ہوگی لیکن طاعون سے مرے ہوئے چوہے میں بُو اور سڑاند کے علاوہ طاعون کا زہر بھی ہوگا۔ پس مرے ہوئے کُتّے سے صرف ناک اذیت اُٹھاتا ہے لیکن طاعون سے مرے ہوئے چوہے سے ناک کے ساتھ جان بھی تکلیف پاتی ہے کیونکہ ایسا چوہا انسانی جان کو بھی تلف کر دیتا ہے۔

پس تمہارے اندر اگر نِفاق ہے تو اسے دور کرو اور اگر تمہارے اندر نفاق نہیں تو تمہارا وہ ہمسایہ جس میں نفاق ہے اس کے نفاق کو دور کرنے کی کوشش کرو اور اس کے زہر سے دوسروں کو بچاؤ اور اگر تم اس کی حمایت اور حفاظت کیلئے کھڑا ہونا چاہتے ہو تو میں تم سے درخواست کروں گا کہ تم طاعون سے مرا ہوا چوہا اگر اپنے گھر میں رکھ لو تو میں سمجھوں گا کہ تم دیانتدار ہو۔ ایسے لوگ اگر آمادہ ہوں تو اب کی دفعہ جب طاعون پڑے تو طاعون زدہ علاقے سے مرے ہوئے چوہے لائیں اور اپنے اپنے گھروں میں رکھ لیں اور اگر وہ اس کیلئے تیار نہیں لیکن منافق کو پناہ دینے کیلئے

وہ ہر وقت تیار ہیں تو بتاؤ ان کے ایمان اور ان کی دیانتداری پر میں کس طرح یقین کر سکتا ہوں۔ میں تو یہ سمجھوں گا کہ ان میں بھی نفاق کی کوئی نہ کوئی رگ پائی جاتی ہے اگر ان میں نفاق نہیں تو وہ طاعون سے مرے ہوئے چوہوں کو اپنے گھروں میں کیوں نہیں رکھتے۔ اسی لئے نا کہ وہ سمجھتے ہیں کہ چوہے رکھنے سے ہمیں طاعون لگ جائے گی۔ پھر جب وہ طاعون سے مرا ہؤا چوہا رکھنے سے ڈرتے ہیں لیکن منافق کے ساتھ ملنے اور اُس سے دوستی اور تعلق رکھنے میں کوئی ضرر نہیں دیکھتے تو کیوں یہ نہ سمجھا جائے کہ خود ان کے اندر نفاق کی کوئی رگ پائی جاتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سنایا ہؤا ایک اور واقعہ بھی مجھے یاد ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے جالینوس ایک دفعہ بازار میں سے گزر رہا تھا کہ ایک دیوانہ دَوڑتا ہؤا آیا اور اُس سے چمٹ گیا۔ جالینوس جب گھر واپس گیا تو جاتے ہی اس نے اپنی فصد کھلوائی۔ کسی نے پوچھا آپ فصد کیوں کھلواتے ہیں وہ کہنے لگا ہمیشہ ایک چیز کی طرف اسی جنس کی چیز رجوع کیا کرتی ہے آج جب ایک مجنون اور دیوانہ شخص بازار میں مجھ سے چمٹ گیا تو میں نے سمجھا کہ میرے اندر بھی ضرور کوئی دیوانگی کی رگ ہے پس کیوں نہ اس کے ظاہر ہونے سے پہلے میں اس کا علاج کرلوں۔ غرض پہلے اپنی عقلوں سے کام لو، پھر دعاؤں اور اِنابت الی اللہ سے کام لو، اس کے بعد ہمت اور جرأت سے کام لو، بُزدل اور ڈرپوک مت بنو اور یہ مت خیال کرو کہ تم دس یا بیس ہزار آدمی کھو کر اپنا نقصان کرو گے۔ یقیناً اگر دس لاکھ آدمی بھی کسی سچی جماعت سے نکل جائیں تو وہ ایک کروڑ بن کر ہم میں آئیں گے اور مخلص بن کر آئیں گے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی ایک بیوی جو فوت ہوگئیں نہایت سادہ طبع اور بہت ہی مخلص تھیں۔ ان کی نرینہ اولاد کوئی زندہ نہیں رہتی تھی صرف دو لڑکیاں تھیں جن میں سے چھوٹی مفتی فضل الرحمٰن صاحب سے بیاہی گئی اور بڑی مولوی عبداللہ صاحب غزنوی کے لڑکے مولوی عبدالواحد صاحب سے۔ ان دونوں لڑکیوں کی آگے اولاد ہے۔ مولوی محمد اسماعیل صاحب غزنوی کا بہت لوگوں نے نام سنا ہوگا وہ انجمن سعودیہ کے ہندوستان میں نمائندے ہیں اور کانگرس میں بھی بہت عرصہ تک کام کر چکے ہیں اور غزنوی خاندان کے مشہور فرد ہیں۔ مفتی فضل الرحمٰن صاحب کی اولاد شروع شروع میں مرجاتی تھی اِس سے قدرتی طور پر نانی کو تکلیف ہوتی کہ میری اولاد تو

فوت ہوا ہی کرتی تھی اب میری لڑکی کی اولاد بھی فوت ہونے لگ گئی ہے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس عموماً دعا کرانے کیلئے آیا کرتیں۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہیں فرمایا آپ گھبرائیں نہیں اللہ تعالیٰ آپ کی بیٹی کو اولاد دے گا۔ اُن کا اللہ تعالیٰ پر اِس قدر ایمان تھا کہ ایک دفعہ ان کا ایک بچہ فوت ہوگیا وہ بچہ خلقی طور پر کچھ نقص اپنے اندر رکھتا تھا، کانوں سے بہرہ تھا اور آنکھیں بھی شاید کمزور تھیں اس بچہ کی وفات پر ایک عورت اُن کے پاس افسوس کرنے آئی تو کہنے لگیں میرا بچہ اچھا ہوگیا ہے یعنی پہلے تو اس میں نقص تھا لیکن اب وہ اللہ تعالیٰ کے پاس خوبصورت ہونے کیلئے گیا ہے۔

تو یاد رکھو خدا تعالیٰ کی خاطر جن لوگوں سے قطع تعلق کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اُن کے بہتر قائمقام پیدا کر دیتا ہے جو نہ صرف اخلاص میں بڑھے ہوئے ہوتے ہیں بلکہ تعداد میں بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے مخلص بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کیلئے قربان کرنے کو تیار ہوگئے اور بیٹے نے بھی خدا تعالیٰ کا حکم ماننے میں کوئی عذر نہ کیا تو خدا تعالیٰ نے انہیں کہا اے ابراہیم! تُو نے میرے حکم کے ماتحت اپنے اکلوتے بیٹے کو میری راہ میں قربان کرنے کیلئے تیاری کی آسمان کی طرف دیکھ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آسمان کی طرف دیکھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھ کیا آسمان پر ستارے ہیں؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا ہاں حضور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تُو ان ستاروں کو گِن سکتا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے خدا! میں تو ان ستاروں کو نہیں گِن سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم! دیکھ چونکہ تُو اپنے اکلوتے بیٹے کو میری راہ میں قربان کرنے کیلئے تیار ہوگیا تھا اس لئے میں تیری نسل کو اس قدر بڑھاؤں گا کہ وہ اسی طرح نہیں گنی جاسکے گی جس طرح آسمان پر ستارے نہیں گنے جاسکے۔ کیا وہ خدا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے مخلص بیٹے کی قربانی پر اِس قدر کثرت سے نسل دے سکتا ہے وہ ہمیں منافق فرزندوں کی قربانی پر ان کے ایسے قائمقام نہیں دے گا جو ان کی کمی کو پورا کرنے والے ہوں۔ یقیناً جو قوم خدا تعالیٰ کی محبت اور اخلاص میں اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ وہ نفاق کو برداشت نہیں کرسکتی اسے اللہ تعالیٰ اسی طرح بڑھاتا ہے جس طرح آسمان پر ستارے کثرت سے پھیلے ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اِس نکتے کو سمجھے تھے یا نہیں جو ستاروں کی طرف اشارہ

کر کے اللہ تعالیٰ نے ظاہر کیا کیونکہ اُس وقت تک علمِ ہیئت کی ترقی اِس حد تک نہیں ہوئی جس حد تک موجودہ زمانہ میں ہوئی ہے لیکن آج ہم بالکل اور رنگ میں اس نکتہ کو سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ آج دنیا کی لمبائی کا اندازہ میلوں میں نہیں لگایا جاتا۔ مثلاً یہ نہیں کہا جاتا کہ ایک زمین سے دوسری زمین کا اتنے میل کا فاصلہ ہے بلکہ اس لمبائی کا اندازہ روشنی کی رفتار سے لگایا جاتا ہے۔ روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ اسّی ہزار میل چلتی ہے اور دنیا کی وسعت کا اندازہ اس نور کی روشنی سے ہی لگاتے ہیں اور یہ ایک اور ثبوت ہے اس بات کا کہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اللہ ہی آسمان اور زمین کا نور ہے یعنی اس میں بتایا گیا زمین و آسمان کی وسعت کا اندازہ تم کسی اور چیز سے نہیں لگا سکتے صرف نور اور اس کی رفتار سے ہی لگا سکتے ہو۔ غرض جب ایک سیکنڈ میں روشنی ایک لاکھ اسّی ہزار میل چلتی ہے تو ایک منٹ میں ایک کروڑ آٹھ لاکھ میل روشنی چلے گی۔ پھر اسے ایک گھنٹہ کے ساتھ ضرب دو تو یہ ۶۴ کروڑ ۸۰ لاکھ میل بنتے ہیں۔ ان میلوں کو ایک دن کی روشنی کا حساب لگانے کیلئے ۲۴ سے ضرب دیں تو یہ ۱۵ ارب ۵۵ کروڑ ۲۰ لاکھ میل رفتار بن جاتی ہے۔ اب پھر اسے ایک سال کی رفتار کا حساب نکالنے کے لئے ۳۶۰ دنوں سے ضرب دیں تو ۵۵ کھرب ۹۸ ارب ۷۲ کروڑ میل بنتے ہیں۔ یہ حساب ایک روشنی کے ایک سال کی لمبائی کا ہوتا ہے لیکن دنیا کی لمبائی تین ہزار سال کی علمِ ہیئت والے قرار دیتے تھے۔ پس ان اعداد کو ۳ ہزار سال سے ضرب دینی ہوگئی اب اس کا حاصل ضرب جو نکلے وہ حسابی لحاظ سے درحقیقت ناقابلِ اندازہ ہی ہو جاتا ہے کیونکہ اربوں کے اوپر کا حساب درحقیقت حساب نہیں سمجھا جاتا مگر یہ حساب یہاں ختم نہیں ہو گیا جُوں جُوں نئے آلات دریافت ہو رہے ہیں یہ اندازے بھی غلط ثابت ہو رہے ہیں۔ چنانچہ جنگ کے بعد کی تحقیق میں یہ قرار دیا گیا کہ دنیا کی لمبائی ۶ ہزار روشنی کے سال کے برابر ہے مگر اس کے بعد بالکل تازہ تحقیق جو ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب باتیں غلط ہیں ہم دنیا کی لمبائی کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے کیونکہ جس طرح بچے کا قد بڑھتا ہے اسی طرح دنیا بھی بڑھتی چلی جا رہی ہے اور اب اس کی لمبائی بارہ ہزار روشنی کے سالوں کے برابر ہے۔ یہ ایک اور ثبوت اِس آیت کی صداقت کا ہے کہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کہ خدا زمین و آسمان کا نور ہے چونکہ خدا خود غیر محدود ہے اس لئے اس کا نور بھی جس چیز میں داخل ہو جاتا ہے اُسے غیر محدود کر دیتا ہے۔ علم ہیئت کی اس ترقی کے بعد

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے الہام سے جو لذت ہم اُٹھا سکتے ہیں وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہیں اٹھا سکتے تھے۔ خیر تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کہا جس طرح آسمان کے ستاروں کو کوئی شخص گِن نہیں سکتا اسی طرح تیری اولاد کو بھی کوئی گِن نہیں سکے گا۔ اب آسمان کے ستاروں کی جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس کے مطابق اس پیشگوئی کا سوائے اِس کے اور کوئی مطلب نہیں تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد غیر محدود ترقی کرے گی اور اگر کبھی لوگ اسے گننے پر قادر ہونے لگیں گے تو جھٹ خدا تعالیٰ اسے بڑھا دے گا کیونکہ خدا تعالیٰ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرماتا ہے زمین و آسمان خدا تعالیٰ کی مٹھی میں ہیں۔ پس جو چیز خدا تعالیٰ کی مٹھی میں ہو اُس کا انسان کہاں اندازہ لگا سکتا ہے۔ اسی لئے جب انسان کا علم اس اندازے کے قریب قریب پہنچنے لگتا ہے تو خدا تعالیٰ اس دنیا کو اور زیادہ بڑھا دیتا ہے۔ اس نئے علم سے وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؎ کی صداقت کا سائنس نے اقرار کر لیا اور معلوم ہو گیا کہ زمین و آسمان کا اندازہ خدا تعالیٰ کے سِوا اور کوئی نہیں کر سکتا اور جب بھی انسانوں کا اندازہ حقیقت کے قریب پہنچے گا دنیا اور زیادہ پھیل جائے گی کیونکہ وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بتاتا ہے کہ عالَم کا اندازہ محض خدا تعالیٰ کے علم میں ہے اس کے سِوا اور کوئی شخص اس کا احاطہ نہیں کر سکتا اسی لئے انسان جب اپنے خیالی علم کے ذریعہ اپنے خیال میں ایک اندازہ تک پہنچ گیا تو معاً بعد اُسے معلوم ہؤا کہ حقیقت تو اَور ہی ہے اور خدا تعالیٰ نے دنیا کو اور زیادہ پھیلا دیا ہے۔

پس ہم جس معرفت کو حاصل کئے ہوئے ہیں اس کے مطابق منافقین کا جماعت سے علیحدہ ہونا ہرگز جماعت کیلئے نقصان دہ نہیں ہو سکتا بلکہ غیر محدود ترقی کا موجب ہو گا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں صاف طور پر فرماتا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی ایک شخص مرتد ہو گا تو اللہ تعالیٰ اُس کی جگہ اُس سے بہتر قائمقام لائے گا۔ پس ہمیں ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں تم صداقت قائم کرنے اور کفر اور نِفاق کو اپنے اندر سے نکالنے کی کوشش کرو خواہ وہ نفاق تمہارے اندر ہو یا تمہارے بیوی بچوں اور عزیز ترین وجودوں میں۔ تم ان سب کو اللہ تعالیٰ کیلئے قربان کر دو تا تمہیں وہ انعام حاصل ہوں جو قربانی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں۔ یاد رکھو جب تک تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنے عزیزوں کو قربان کرنے کیلئے تیار نہیں ہو گے اُس وقت تک خدا تعالیٰ خود

تمہاری تعداد کو غیر معمولی طور پر نہیں بڑھائے گا آخر خدا تعالیٰ تمہاری تعداد کو کیوں بڑھائے۔ کیا اِس لئے کہ نِفاق اور شرارت بھی ساتھ ساتھ ترقی کرے ہاں جب تم نفاق کو اپنے اندر سے نکال کر باہر پھینک دو گے، جب تم شرارت اور فتنہ انگیزی سے بکلّی مجتنب ہو جاؤ گے تب خدا تمہارے متعلق کہے گا کہ یہ بیج ہے جو جنت کا بیج ہے آؤ میں اسے اپنی جنت میں بووؤں لیکن اگر تمہارے اندر نِفاق ہوگا تو تمہاری مثال گھن کھائے ہوئے بیج کی طرح ہوگی اور اس امر کو اچھی طرح سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ اپنے باغ میں گھن کھائے ہوئے بیج کو کبھی بونے کیلئے تیار نہیں ہوتا بلکہ پھل دینے والا بیج اپنی جنت میں بوتا ہے اور پھل دینے والا بیج وہی ہے جو نہ منافق ہے نہ منافقت کی کوئی رگ اس میں پائی جاتی ہے۔ ایسا شخص یقیناً جنت کا بیج ہے اور وہ جنت میں دائمی زندگی حاصل کرے گا۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ جنت کیا چیز ہے جنت وہی جگہ تو ہے جو ان پاکیزہ ارواح کا مسکن ہے جو ہر قسم کے کفر اور نفاق سے پاک ہوں گے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ [۸] کہ اے میرے بندے! جا اور تُو جنت کا درخت بن جا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا غَرَسْتُ لَکَ بِیَدِیْ رَحْمَتِیْ وَ قُدْرَتِیْ [۹] میں نے اپنے ہاتھ سے تیرے لئے اپنی رحمت اور قدرت کا درخت بویا ہے اور فرماتا ہے کہ میں نے تیرے لئے اسماعیلی درخت بویا ہے یعنی ایک ایسا بیٹا مقدر کیا ہے جو اسماعیلی رنگ رکھتا ہوگا یعنی وہ سب دنیا سے مقابلہ کرے گا اور دنیا اس کا مقابلہ کرے گی۔ اسی طرح صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی نسبت فرمایا کہ کابل سے اُکھیڑا گیا اور ہمارے ہاں لگایا گیا [۱۰]۔ پس جنت کے اصل درخت وہی روحیں ہیں جو دنیا سے پاک ہو کر اپنے ربّ کے حضور جاتی اور خدا کے نور کے پانی سے دائمی زندگی بسر کرتی ہیں۔ پس اگر تم دائمی زندگی حاصل کرنا چاہتے ہو تو نِفاق کو اپنے دلوں سے نکال دو اور کامل پاکیزگی اور کامل طہارت حاصل کرکے جنت کے درخت بن جاؤ تب خدا تمہارے پاس آئے گا اور وہ تمہیں ہمیشہ کیلئے اپنے قُرب میں جگہ عطا فرمائے گا۔

(الفضل ۲۴ ؍ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

---

[۱] النساء: ۵۷ [۲] ھود: ۱۱۴

۳؎ موضوعات ملا علی قاری۔ صفحہ ۵۹ مطبوعہ دہلی ۱۳۴۶ھ

۴؎ تذکرہ صفحہ ۶۱۲، ایڈیشن چہارم

۵؎ الحدید: ۴ ۶؎ النور: ۳۶ ۷؎ البقرۃ: ۲۵۶

۸؎ الفجر: ۳۰، ۳۱

۹؎ تذکرہ صفحہ ۹۰، ایڈیشن چہارم

۱۰؎ تذکرہ صفحہ ۴۸۴، ایڈیشن چہارم میں یہ الفاظ ہیں ''کابل سے کاٹا گیا اور سیدھا ہماری طرف آیا''۔